# اجتہاد واجب ہے!

از

حجۃ الاسلام علامہ مفتی سید طیب آغا جزائری
مجتہد العصر - لاہور



ملنے کا پتہ

ادارہ، علومِ آلِ محمد، ۱۲/بی شاد باغ لاہور

(مظفر پرنٹرز لاہور)

یہ رسالہ مرکز داعیانِ خیر نے مومنین کے فائدہ کے لیے شائع کیا
لہٰذا حسب ذیل پتہ سے مفت طلب فرمائیں۔ بیرونجات کے
حضرات سات نئے پیسے کے ٹکٹ ارسال کریں۔

---

ادارۂ علوم آلِ محمد، ۱۲/ بی، شادباغ، لاہور

آج جبکہ مسلمانوں کے دوسرے فرقے بھی اجتہاد کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں اور فقہ جعفری کے اس طرۂ امتیاز کو اپنانا چاہتے ہیں، یہ مقام عبرت ہے کہ اپنوں میں ایک صاحب پیدا ہوئے ہیں جنھوں نے ملت شیعہ کے نظریۂ اجتہاد کی حرمت کا فتویٰ صادر فرمایا ہے، ذیل کی سطور میں اس مسئلہ پر روشنی ڈالی گئی ہے:-

## باسمہ سبحانہ

ہر بالغ و عاقل پر واجب ہے، کہ وہ ان تکالیف اور ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو جو اس کے رب نے اس دار دنیا میں اس پر عائد کی ہیں۔ یہ تمام تکالیف علی سبیل الاجمال قرآن کریم میں مذکور ہیں، حدیث اس اجمال کی تفصیل ہے، اجماع علمائے امامیہ ان احادیث کا حافظ ہے عقل قطعی حکم الٰہی کی مؤید ہے اور رسول باطنی ہے لہٰذا قرآن و حدیث و اجماع و عقل یہی چار طریقے ہیں جن سے احکام الٰہی کا استنباط ہو سکتا ہے، پس ہر شخص پر واجب ہے، کہ یا خود استنباط کرے (اسی کو اجتہاد کہتے ہیں) یا دوسروں کے استنباط سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حکم الٰہی بجا لائے، (اس کو تقلید کہتے ہیں)۔ نتیجہ یہ نکلا کہ شخص عالم پر (جو قوت الاستنباط رکھتا ہو) اجتہاد واجب ہے اور عامی پر تقلید۔ اس کی مثال یوں سمجھنا چاہیئے کہ ہر شخص پر لازم ہے کہ اپنے جسمانی امراض کا مداوا کرے۔ علاج کے دو ہی طریقے ہیں یا تو خود کالج میں علم طب کی تعلیم حاصل کرے یا کسی مستند ڈاکٹر کے نسخہ پر عمل کرے نسخہ لکھنا اجتہاد

ہے اور اس پر عمل کرنا تقلید۔ ڈاکٹر کے لئے نسخہ لکھنا واجب اور مریض کیلئے اس پر عمل کرنا لازم۔ جب امراض جسمانی میں اجتہاد و تقلید واجب ہے تو امراض روحانی کے لئے واجب ہے۔ اسی لئے ملتِ جعفریہ میں امامؑ کے زمانہ سے اجتہاد کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور تیرہ سو برس سے اس پر عمل درآمد جاری ہے سینکڑوں سال سے باب مدینہ علم کا آستانہ (نجف اشرف) وہ عظیم الشان مدرسہ اجتہاد ہے۔ جہاں سے لاتعداد علمائے ربانی نے اپنی خالی جھولیوں کو علوم اہلبیتؑ کے جواہرات سے پُر کر کے پورے عالم کو اس سے فیض پہنچایا اور پہنچا رہے ہیں۔ اس تبلیغ احکام میں انکو صرف زمانہ کی سرد و گرم ہواؤں ہی کا مقابلہ نہیں کرنا پڑا بلکہ وہ اپنے مقتداؤں کی پیروی میں قید و محن و دار و رسن کی سختیوں سے گزرے۔ ظلم کے تازیانوں نے انکی پشت پر نقوشِ محبت ابھارے، شمشیر بران نے انکے سر اُتارے، ان کے خون کے چھینٹوں سے صفحۂ گیتی گلنار بنا، پیر فلک ان کے غم میں اشکبار ہوا۔ آخر کو دُنیا سمجھ گئی کہ انکی زبان کٹنا آسان ہے مگر ان کا علم گھٹنا مشکل ہے۔ ان کے ہاتھ قلم ہو سکتے ہیں لیکن ان سے قلم نہیں چھوڑایا جاسکتا۔

اعضائے بٹے تیغیروں پہ پر علم نہ چھوڑا
کاٹے گئے ہاتھ ان کے مگر جام نہ چھوڑا

آج عالم میں جو کچھ بھی دین باقی ہے وہ انہی علماء و مجتہدین کا صدقہ ہے۔ ورنہ آفتابِ امامت کی غیبت کے بعد دُنیا تاریک ہو جاتی۔ وہ یہی علماء ہیں جنھوں نے خاک کے ذرّوں کا چشمۂ آفتاب سے اتصال باقی رکھا۔ معصوم نے عبث نہیں فرمایا:۔۔۔ هٰؤلاء حفظ الدين وامناء ابى على حلال الله وحرامه۔ یہ دین کے محافظ ہیں اور حلال و حرام خدا پر میرے باپ کے امین ہیں (امام جعفر صادقؑ[1]) کہیں فرمایا:۔۔۔

[1] کتاب وسائل الشیعہ ۱۲

اذا حکم بحکمنا فلم یقبل منہ فانما استخف فی حکم اللہ ـــــ وعلینا رد والراد علینا راد علی اللہ وھو علی حد الشرک باللہ۔ "جب یہ ہمارے حکم کی بنا پر کوئی حکم دیں اور وہ قبول نہ کیا جائے تو البتہ یہ حکم خدا کی توہین کی گئی اور ہمارا حکم رد کیا گیا، اور ہمارا حکم رد کرنے والا اللہ کے حکم کا رد کرنے والا ہے اور وہ شرک کی حد پر ہے"۔ بہر حال علمائے مذہب شیعہ کا کام اور ان کا مقام اظہر من الشمس ہے ۔ لیکن حال میں راولپنڈی سے ایک پمفلٹ شائع ہوا ہے جس کے ناشر سید علی احسن صاحب دھرم پورہ روڈ، راولپنڈی ہیں۔ موصوف نے علی صفدر رضا صاحب کے افکار (بغرض استصواب) شائع کئے ہیں۔ ان افکار کا خلاصہ یہ ہے کہ جب ہر حکم قرآن میں موجود ہے، تو علماء کا اجتہاد کرکے ظنی احکام لوگوں کو بتانا حرام ہے۔ کیونکہ ہر ظن پر عمل کرنا حرام و طریق کفار و منافقین ہے"۔

یہ ہے علی صفدر رضا صاحب کے افکار کا خلاصہ ۔ جس کی مثال تیرہ سو برس سے نہیں ملتی۔ اخباری حضرات کو مجتہدین سے بعض امور میں اختلاف رہا ہے مگر انھوں نے بھی اتنی شدت اختیار نہیں کی، کہ ہر ظن کے مخالف ہو کر "حسبنا کتاب اللہ" کا دعوی کرنے لگیں۔ موصوف رقمطراز ہیں :

"عقائد و احکام دونوں میں ظن پر چلنا حرام ہے پس ظن کی بنا پر حلال حرام کا حکم کرنا حرام ہے کیونکہ اتباع ظن گمراہی کا سبب ہے۔ اجتہاد میں بربنائے ظن حلال و حرام کا حکم ہوتا ہے۔ لہٰذا اجتہاد حرام ہے" ص ۱۵۔ مزید فرماتے ہیں :۔

"احکام اجتہاد سب ظنی ہیں ان پر عمل کرنا باطل ہے عالم دین کے لئے جائز نہیں کہ وہ ظنی احکام کو احکام شریعت قرار دے یعنی اجتہاد کرنا حرام ہے" ص ۱۸ قرآن

ل۵ وسائل الشیعہ - ۱۲

کے بارے میں ارشاد ہے :- قرآن مجید میں شریعت کے سب احکام موجود ہیں قرآن مجید کے اس دعویٰ کے خلاف علمائے اسلام کا یہ قول ہے کہ قرآن مجید میں سب احکام نہیں ہیں۔ مجتہدین نے قیاس وظن سے احکام تجویز کر کے شرع کو مکمل بنا دیا لہٰذا ایک مسلمان اگر یہ کہے کہ قرآن مجید میں سب احکام نہیں ہیں تو اس نے قرآن کے اس دعوے کی تکذیب کی اور کافر ہو گیا۔ ص ۱۴۔ موصوف کے الزامات کی دو بنیادیں ہیں :-

(۱) ہر ظن پر چلنا حرام ہے اور اجتہاد کے تمام احکام ظنی ہیں۔ لہٰذا اجتہاد حرام ہے۔

(۲) جب قرآن میں ہر شے موجود ہے تو اجتہاد کر کے اس کو ناکافی ٹھہرانا کفر ہے۔

انہی دو بنیادوں پر علی صفدر صاحب اعتراضات کی خیالی عمارت تعمیر کرتے چلے گئے ہیں۔ مگر آپ دیکھیں گے کہ یہ دونوں بنیادیں ایسی کھوکھلی ہیں کہ ان پر تعمیر شدہ عمارت ذرا سے اشارے میں زمین پر آ رہتی ہیں۔

## ظن کی بحث

اس موضوع پر موصوف کے اعتراضات کا جائزہ لینے سے پہلے ظن اور اس کے قسیم علم وشک و وہم کے معنی سمجھنا ضروری ہیں۔ معلوم ہونا چاہئے کہ ہر اعتقاد کی دو قسمیں مخصوص ہو سکتی ہیں۔ اعتقاد جازم۔ اعتقاد غیر جازم۔ اعتقاد جازم کا مقصد یہ ہے کہ معتقد کی نظر میں اس چیز کا جانب خلاف ممکن نہ ہو جیسے وہ دیکھ رہا ہو کہ سورج نکلا ہے۔ لہٰذا اس کا خلاف یعنی سورج کا اس گھڑی نہ نکلا ہونا ممکن نہ ہوگا اسکو

علم و یقین کہتے ہیں۔ اعتقادِ غیر جازم کی پھر دو شکلیں ہیں۔ ۱۔ مثبت و منفی دونوں جانبیں مساوی ہوں۔ ۲۔ ایک راجح دوسری مرجوح ہو۔ مثلاً زید کے متعلق یہ معلوم نہ ہو کہ وہ عادل ہے یا فاسق، اسکے عدل و فسق دونوں باتوں کا احتمال مساوی ہو تو اس کو شک کہتے ہیں۔ لیکن اگر کچھ دوسرے قرائن سے یہ گمان غالب ہو کہ وہ عادل ہے تو اسکے عدل کا اعتقاد ظن ہوگا اور اسکے خلاف فسق کا احتمال وہم۔ پس معلوم ہوا کہ ظن اعتقادِ راجح کو کہتے ہیں جس میں جانبِ مخالف کا احتمال پایا جائے اور علم میں جانبِ مخالف کا احتمال نہیں پایا جاتا۔

## ظن اور عقل

علم، ظن، شک و وہم، اعتقاد کی یہ چار سیڑھیاں ہیں جن میں سب سے اعلیٰ علم ہے اور سب سے ادنیٰ وہم۔ اعلیٰ کے ہوتے ہوئے ادنیٰ پر عمل کرنے کی عقل اجازت نہیں دیتی، لہٰذا عقل کے نزدیک علم پر دسترسی کی صورت میں ظن پر عمل کرنا غلط ہے۔ البتہ علم کے فقدان کی صورت میں ظن پر عمل جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے، جیساکہ ذیل کی مثالوں سے ظاہر ہے:۔

پہلی مثال:۔ اگر آپ سفر کر رہے ہوں، سامنے دو راستے ہوں ایک کے متعلق یہ ظن ہو کہ یہ منزل تک پہنچانے والا ہے۔ دوسرے کے متعلق شک یا وہم ہو تو آپ ان دونوں راستوں میں سے کون سا اختیار کریں گے؟ آیا ظنی راستہ پر گامزن ہونگے یا وہمی راستہ پر چلیں گے!

دوسری مثال:۔ سامنے دو راستے ہوں، ایک کے متعلق ظن ہو کہ اس راستہ پر شیر ہے دوسرے کے متعلق وہم ہو، ٹھہرنے میں بھی خطرہ کا یقین ہو تو آپ کون سا راستہ اختیار کریں گے؟ اگر آپ عقلا کی صف میں ہیں، تو یقیناً ظنی ہی

راستہ اختیار کریں گے۔

تیسری مثال:۔ اگر کسی غذا کے متعلق یہ ظن ہو کہ اس میں زہر ہلاہل ملا ہوا ہے چونکہ آپ کسی ظن پر بھی عمل کرنے کو جائز نہیں گردانتے کہتے ہیں کہ یہ کفار و مشرکین کا طریقہ ہے آپ کی "احیاء الاسلام" والا قرآن بھی یہی کہتا ہے کہ ظن پر عمل کیا اور کافر و منافق ہوئے، لہذا آپ تو اس کھانے کو ضرور نوش فرمالینگے اور اگر خوش قسمتی سے اس کھانے میں فی الواقع زہر قاتل کی تھوڑی مقدار ملی ہو تو آپ کو شہادت کا مرتبہ ہاتھ آجائیگا کیونکہ آپ نے قرآن پر جان دی۔

مذکورہ مثالوں سے معلوم ہوا کہ زندگی کے بعض شعبے ایسے ہیں جن میں ظن پر عمل کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے، جبکہ راہِ عمل ظن پر متعین ہو تو اس سے فرار سفاہت و ہلاکت کا باعث ہے۔

## ظن اور قرآن

قرآن کریم نے کبھی کسی فیصلۂ عقلی کی مخالفت نہیں کی اس کا ہر حکم تائید عقل ہے، لہذا اس نے ظن کو جس پر عمل کرنیکی عقل نے اجازت دی ہے، اتنا درجہ دیا ہے کہ کئی جگہ اس کو علم و یقین کے معنی میں استعمال کیا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔ استعینوا بالصبر والصلوٰۃ وانھا لکبیرۃ الا علی الخاشعین الذین یظنون انھم ملٰقوا ربھم و انھم الیہ راجعون۔ (بقرہ آیت ۴۵) یعنی صبر اور نماز کا سہارا لو، البتہ نماز دو بھر ہے مگر ان ڈرنے والوں پر دو بھر نہیں ہے، جو یہ ظن رکھتے ہیں کہ اپنے رب سے ملاقات کرینگے اور اس کی طرف لوٹیں گے"۔ اس آیت میں ظن بمعنی علم استعمال کیا گیا ہے۔ کیونکہ خداوند عالم اپنی ذات کا محض گمان رکھنے والے کی

مدح نہیں فرما سکتا۔ لہذا قرآن کریم کی رو سے جب ظن بمعنی یقین بھی آیا ہے تو اسکی شرح کئے بغیر ہر ظن کی مخالفت کرنا علوم قرآنی سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔

اب رہا ظن بہ معنی اعتقاد راجح تو اسکی دو قسمیں ہیں۔ ظن خیر وظن سوء۔ قرآن کریم نے جہاں بھی ظن کی مذمت کی ہے، وہ ظن سوء ہے نہ کہ ظن خیر۔ ارشاد ہوتا ہے:۔ ویعذب المنٰفقین والمنٰفقٰت والمشرکین والمشرکٰت الظانین باللہ ظن السوء (فتح ۶)۔ "اللہ تعالیٰ منافقین ومنافقات، مشرکین ومشرکات پر عذاب کریگا، جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں ظن سوء کرتے ہیں" ظن کے بعد سوء کی قید لگانا، اس بات کی دلیل ہے، کہ ظن کی ایک قسم خیر بھی ہے لہذا اگر اللہ تعالیٰ کے متعلق ظن خیر کیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

دوسری آیت:۔ یا ایھا الذین اٰمنوا اجتنبوا کثیرًا من الظن ان بعض الظن اثم۔ (حجرات ۱۲) "اے ایمان والو! بہت سے ظنوں سے بچو کیونکہ بعض ظن گناہ بھی ہوتے ہیں۔ اگر تمام ظن مذموم ہوتے جیسا کہ معترض کا کہنا ہے، تو بجائے لفظ "کثیر" کے کل یا جمیع کی لفظ ہوتی اور فرمایا جاتا "اجتنبوا جمیع الظنون" تمام ظنوں سے اجتناب کرو۔ پھر فرمایا بعض ظن گناہ ہیں، یعنی بعض ظن گناہ نہیں ہیں۔ یہ آیت اس مطلب میں صریح ہے، کہ ہر ظن ممنوع نہیں ہے اسکی کچھ خاص قسمیں ہیں جن سے روکا جا رہا ہے۔

تیسری آیت:۔ لولا اذ سمعتموہ ظن المؤمنون والمؤمنٰت بانفسھم خیرا۔ (نور ۱۲) "جب تم نے کسی کے متعلق بُری بات کو سنا تھا تو ایماندار مردوں اور عورتوں نے اپنے لوگوں کی بابت نیک گمان کیوں نہ

کیا۔ اس آیت میں خداوند عالم نے ظن کی نہ صرف مدح فرمائی ہے بلکہ اسکے ترک کر دینے پر توبیخ کی ہے۔ اسی آیت کے ہم معنی یہ مشہور و متفق علیہ حدیث بھی ہے۔ "ظنوا المؤمنین خیراً"۔ مومنین کے متعلق نیک گمان کرو۔ اب بتلائیے آپ تو مطلق ظن کے خلاف ہیں کسی جگہ اس کو اچھا نہیں سمجھتے شاید کسی مومن کے متعلق بھی آپ کا ظن اخیر نہیں ہے کیونکہ آپ کے زعم میں قرآن نے ہر ظن پر عمل کرنے سے روکا ہے۔

# اجتہاد اور ظن

اجتہاد نے بھی ظن کی حجیت کو وہی درجہ دیا ہے جو عقل و قرآن نے دیا ہے۔ فقہا پر یہ الزام غلط ہے (کہ ان کے احکام سب ظنی ہوتے ہیں، لہذا ان پر عمل کرنا باطل ہے۔ نہ یہ صغریٰ درست ہے نہ کبریٰ۔ کبریٰ کی عدم صحت گذر چکی یعنی معترض نے کوئی عقلی یا نقلی دلیل اس بات پر قائم نہیں کی کہ ہر ظن پر عمل کرنا باطل ہے، بلکہ قرآن صراحت کر رہا ہے کہ بعض ظن ایسے ہیں جن پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ لہذا کبریٰ (ہر ظن پر عمل کرنا باطل ہے) غلط ہوا۔ کیونکہ کلیت ٹوٹ گئی۔ اب رہا صغریٰ (یعنی احکام اجتہاد سب ظنی ہوتے ہیں) یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ فروع دین سب قطعی ہیں، وجوب نماز قطعی ان کا پنجگانہ ہونا قطعی انکی رکعات قطعی۔ ماہ رمضان میں تیس دن کے روزوں کا وجوب قطعی، خمس زکوٰۃ و جہاد سب قطعی اور یقینی احکام ہیں۔ اصول دین میں بھی علمائے امامیہ کا مسلک

ہو رہا ہے، کہ اس میں تقلید حرام ہے، تمام اصول دین کو اپنے علم و یقین سے حاصل
کرنا چاہیئے۔ بہر حال اصول و فروع دونوں میں علمائے امامیہ کے نزدیک بالاصالۃ
قطع و یقین معتبر ہے بلکہ اجتہاد کی بنیاد ہی یقین پر ہے، کیونکہ جس نے بھی
دروس اجتہادیہ میں شرکت کی ہے اس نے رسائل شیخ مرتضیٰ انصاری رحمہ ضرور
پڑھی ہوگی۔ معترض نے زحمت کرکے اگر یہ کتاب دیکھی ہوتی، تو شروع ہی میں
یہ الفاظ صاف طور سے دکھلائی دیتے :۔ لا اشکال فی وجوب متابعۃ
القطع والعمل علیہ مادام موجودا لانہ بنفسہ طریق
الی الواقع۔ (رسائل ص۱) ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جب بھی قطع حاصل ہو جائے
تو اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ کیونکہ وہ بنفسہ واقع تک پہنچنے کا طریقہ ہے۔
آخوند خراسانی علیہ الرحمہ نے بھی صاف صاف الفاظ میں فرما دیا ہے: لا شبہۃ
فی وجوب العمل علی وفق القطع عقلاً ولزوم الحرکۃ علی
طبقہ جزماً وکونہ موجباً لتنجز التکلیف الفعلی فیما
اصاب باستحقاق الذم والعقاب علی مخالفتہ وتاثیرہ فی
ذلک لازم وصریح الوجدان بہ شاھد وحاکم فلا حاجۃ
الی مزید بیان واقامۃ برھان۔ (کفایۃ الاصول ص۲۶) ۔ اس میں کسی
شبہ کی گنجائش نہیں کہ قطع پر عمل کرنا عقلاً واجب ہے اور یقیناً اسکی طرف
اقدام کرنا چاہیئے قطع موجب تنجز تکلیف فعلی ہے۔ اگر اس کی مخالفت کی تو
مکلف پر مذمت و عقاب مرتب ہوگا قطع کا یہ اثر لازم و بالکل واضح ہے
ہر انسان کا وجدان اس کا شاہد و حاکم ہے، لہذا مزید دلیل و برہان کی ضرورت

نہیں ہے ۔ (انتہیٰ) ۔

اسی طرح ہر مجتہد نے جس نے بھی اصول فقہ میں کوئی کتاب لکھی ہے قریب قریب یہی الفاظ لکھ دیئے ہیں، بلکہ بحث اجتہاد شروع ہی بحث قطع سے ہوتی ہے جس میں قطع کو بنفسہ حجت ثابت کیا جاتا ہے یعنی قطع کی حجیت اصلی و ذاتی ہے نہ کسی کے بنائے بنتی ہے نہ توڑے ٹوٹتی ہے۔ برخلاف ظن کے کہ اس کی حجیت عارضی اور جعل جاعل کی محتاج ہے ۔ اتنی صراحتوں کے بعد بھی کسی کا یہ کہدینا کہ اجتہاد کے تمام احکام ظنی ہوتے ہیں، دیدہ دلیری نہیں تو اور کیا ہے علمائے اصول نے تو ظن کو بالاصالۃ غیر حجت مانا ہے شیخ انصاری فرماتے ہیں :- التعبد بالظن الذی لم یدل دلیل علی وقوع التعبد بہ محرم بالادلۃ الاربعۃ ویکفی من الکتاب قل اللہ اذن لکم ام علی اللہ تفترون ۔ در رسائل شیخ ص ۲۸ جب تک کسی خاص ظن پر عمل کرنے کے جواز میں دلیل قائم نہ ہو، اس پر عمل کرنا ادلۂ اربعہ کی رو سے حرام ہے ۔ یہی صاحب کفایہ نے بھی کہا ہے ۔

## قیاس

یوں تو تمام ظنون حرام ہیں، مگر ان میں سے بعض وہ ہیں جن کے متعلق لسان شرع میں خاص طور سے نہی وارد ہوئی ہے جیسے ظن قیاسی اس کے لئے ارشاد ہوتا ہے :- ان الشریعۃ اذا قیست محقت ۔ (شریعت میں جب قیاس کیا جائے گا تو وہ مٹ جائے گی) ۔ یہ حدیث مسلم الثبوت ہے ۔ اس لئے علمائے امامیہ کا اجماع ہے کہ قیاس کرنا حرام ہے ۔ شیخ انصاری علیہ الرحمہ نے قیاس کی حرمت پر سات مفصل دلیلیں بیان فرمائی

مگر معترض صاحب کی بے خبری کا یہ عالم ہے کہ فرماتے ہیں :- "مجتہدین نے
اس سے احکام کو مکمل بنایا"۔ کاش! کہ بتلایا جاتا کہ کس شیعہ مجتہد نے قیاس
ی مدد سے شریعت کو مکمل بنایا، یا اس کے مطابق فتوے دیا ——

ھذا الا افک افتراہ -

مذکورہ بالا بیان سے اچھی طرح معلوم ہو گیا ہو گا کہ اجتہاد میں ظن پر عمل
ی نہیں اور جہاں ہے وہ حکم شارع کی وجہ سے ہے لہذا علماء کی تشبیہ
ر و ہنود وغیرہ سے دینا اور ان آیات کو علمائے مذہب شیعہ پر منطبق
نے کی کوشش کرنا جن کا خطاب ان کفار و مشرکین سے ہے جنہوں نے
نے اصول دین میں ظن پر عمل کیا ہے اور اس وجہ سے انکے تمام فرعی احکام
نی ہیں کھلی ہوئی ستم ظریفی ہے

مذکورہ پمفلٹ کا خلاصہ یہ ہے کہ معترض کے نزدیک تمام احکام شرع قطعی ہیں
ر شارع نے کسی عالم میں بھی ظن پر عمل کرنے کی اجازت نہیں دی ہے، جبکہ
ائے اصول کا یہ کہنا ہے کہ کلیات احکام شرع سب قطعی ہیں۔ ان کے
ض جزئیات بہ اجازت شرع ظنی بھی ہو سکتے ہیں۔ قرآن سے تو ہم ثابت
بلکہ اس نے (بعض الظن اثم) کہہ کر بعض ظنون سے روکا ہے،
بعض کی اجازت دی ہے۔ لہذا معترض کا مسلک (حرمۃ عمل بالظن
مطلقاً) مخالف قرآن ہوا نہ کہ اصولیوں کا۔ اب رہا یہ سوال کہ وہ کونسے
ارد ہیں جہاں شرع کی جانب سے ظن پر عمل کرنے کی اجازت دی گئی
ہے۔ تو اس کو ایک واضح مثال سے سمجھ لیجئے :-

اگر دو عادل شخصوں نے زید کے خلاف یہ گواہی دی کہ اس نے چوری کی ہے یا اس نے فلاں مومن کو قتل کر دیا ہے۔ تو قاضی صاحب (جن کا مطالعہ مزعومہ تفسیر احیاء الاسلام تک محدود ہو) کیا فیصلہ دینگے اگر اس گواہی کے مطابق زید کا ہاتھ یا گردن کاٹ دینگے، تو یہ تو ظنی حکم ہوا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ گواہ غلط کہہ رہے ہوں۔ وہ آثار و قرائن ظاہریہ کے سے عادل ضرور ہیں معصوم نہیں ہیں۔ بہت سی گواہیاں غلط نکلتی ہیں۔ لہذا ان کی گواہیوں سے ظن ہی حاصل ہوگا یقین نہیں ہوسکتا، کہ یہ درست کہہ رہے ہیں۔ اور اگر ان کی گواہی پر عمل نہیں کرینگے، تو یہ قرآن کے خلاف ہوگا۔

..... کیونکہ قرآن حکیم میں صاف الفاظ میں دو عادلوں کی گواہی کو معتبر قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے :۔۔ اشھدوا ذوی عدل منکم (طلاق ۲) "اپنے گواہوں میں سے دو عادل گواہ بناؤ"۔ اب اگر کسی نے کسی بے گناہ کے خلاف دو گواہ ایسے پیش کر دیئے جو آپ کے معیارِ عدالت پر تو پورے اترتے ہیں، مگر فی الواقع کسی وجہ سے خلاف واقع گواہی دے رہے ہیں، تو آپ کو اس گواہی سے جو ظن حاصل ہوگا اس پر عمل کرینگے یا نہیں۔ اگر کریں گے۔ تو یہ فیصلہ ظنی ہوا یا کچھ اور؟ بے شک اگر علم حاصل ہے، تو جو شہادت اس کے خلاف پیش کی جائے وہ معتبر نہ ہوگی۔ مگر عدم علم کی صورت میں اسی ظنی شہادت پر سرقہ، زنا، قتل، قرض، بیع و شراء نکاح و طلاق غرضیکہ لاتعداد احکام شرع کا دار و مدار ہے۔ لہذا آنکھ بند کر کے یہ کہدینا، کہ شرع نے ہر ظن پر عمل کرنے سے منع کیا ہے، اور ظن پر

عمل کرنے والا کافر ہے۔ شریعت حقہ سے ناواقفیت نہیں تو اور کیا ہے۔

# قرآن اور احکام شرع

اب رہا معترض کا دوسرا دعویٰ کہ قرآن مجید میں ہر شے کا بیان ہے اس لئے اس میں تمام عقائد و احکام ہونا چاہیئے۔ تو اس کے متعلق عرض ہے کہ اس دعوے میں اور قال قائل حسبنا کتاب اللہ ان الرجل لیھجر میں کیا فرق ہے۔۔۔؟ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے وقت آخر جب فرمایا تھا، کہ قلم و کاغذ لادو، تاکہ میں تمہارے لئے ایک ایسا نوشتہ لکھدوں، کہ میرے بعد گمراہ نہ ہو۔ تو اس وقت کہنے والے نے کہا: ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے اس شخص کو (معاذ اللہ) ہذیان ہو گیا ہے قبلہ محترم! قرآن میں بے شک ہر چیز کا بیان موجود ہے جس کا اس چیز پر ایمان نہ ہو وہ کافر ہے۔ مگر یہ بیان انہی کے لئے ہے جو الٓمٓ۔ کھیٰعص۔ کا مطلب سمجھتے ہیں۔ جن پر یہ نازل ہوا ہے۔ اسی لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے انی تارک فیکم الثقلین فرمایا تھا۔ ہمارے اور آپ کیلئے قرآن کریم کی ہر آیت میں بیان نہیں ہے جیسا کہ اس نے خود اعلان کر دیا ہے۔ لایعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم۔ اس کی تاویل سوائے خدا اور راسخین فی العلم کے اور کوئی نہیں جانتا۔ اور وہ راسخین فی العلم صرف ائمہ معصومین علیہم السلام اجمعین کی ذات مقدسہ ہیں۔ اگر آپ راسخین فی

العلم ہیں اور آپ کا دعویٰ ہے کہ آپ کی "احیاء الاسلام" میں سب کچھ موجود ہے تو ذرا بتلایئے کہ ـــــ الٓمّٓ سے کیا مراد ہے؟ الٓمّٓرٰ کے کیا معنی ہیں؟ کھیعص سے کیا مراد ہے؟ تین و زیتون کیا ہیں؟ الطارق سے کیا مراد ہے؟ شاھد و مشھود جن کی قسم اللہ تعالیٰ نے کھائی ہے کون ہیں؟ نبأ عظیم کون ہے؟ نٓ سے کیا مراد ہے؟ والقلم وما یسطرون سے کون سا قلم مراد ہے؟ آیہ سرقہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ:۔ السارق والسارقة فاقطعوا ایدیھما۔ چوری کرنے والے مرد و عورت کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ سوال یہ ہے کہ ہاتھ کہاں سے کاٹا جائے، کلائی سے، کہنی سے، بازو سے، کس جگہ سے کاٹا جائے؟ یہ سب اجزاء ہاتھ کہلاتے ہیں! آپ کے نزدیک، قرآن کی ہر آیت کا مطلب قطعی ہے، بتلایئے، اس آیت سے آپ نے کیا سمجھا؟ اسی طرح آیہ حجاب میں ہے:۔ لا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا۔ عورتیں اپنی زینت کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں سوائے اس کے جو ظاہر ہے۔ "ما ظھر" سے کیا مراد ہے؟ عورت کا قد، زیورات، ہاتھ، پیر، چہرہ سب ہی احتمالات آتے ہیں۔ نماز پنجگانہ کی رکعات و دیگر تفاصیل۔ مناسک حج۔ تفاصیل خمس و زکوٰۃ قرآن میں کس جگہ مرقوم ہیں؟ اور لیجئے "کتے" کی نجاست بلکہ اس کے گوشت کی حرمت۔ غسل میت و مس میت کفن و دفن کا وجوب ذرا قرآن کریم میں دکھلائیں تو حدیث سے تمسک نہ کیجئے گا، ورنہ بات پھر اسی ظن پہ آکر ٹھہرے گی جس سے احتراز کرنے کی آپ قسم کھائے ہوئے ہیں، کیونکہ حدیث ظنی السند و

ظنی الدلالۃ دونوں ہے ظنی السند اسلئے کہ اسکے واسطوں میں احتمال خطاء ہے جس طرح شاہدین کی شہادت میں احتمالِ خطاء ہے۔ اور ظنی الدلالۃ اسلئے کہ قرآن حکیم کی طرح وہ بھی مجمل موجود ہے، ہر کلام کو سنکر مخاطب کے ذہن میں کچھ سوالات آنا ضروری ہیں اگر متکلم سامنے موجود ہو تو رفع شبہہ کیا جا سکتا ہے لیکن جب قائل سامنے موجود نہ ہو تو سوائے اپنی سمجھ پر اعتماد کرنے کے اور کیا چارہ ہے، اسکی واضح ترین مثال طب یا قانون ہے ملک کا پورا قانون ایک کتاب میں لکھا ہوا ہوتا ہے، تمام دفعات کا مکمل و مفصل ذکر ہوتا ہے، مگر اسکے باوجود انہی دفعات کو پڑھ کر مختلف افراد مختلف مطالب اخذ کرتے ہیں۔ اس میں قانون یا اسکے مدوّن کا قصور نہیں ہے، چونکہ لوگوں کے اذہان کی سطح مختلف ہوتی ہے، اسلئے مطلب فہمی میں اختلاف ہونا ایک ناگزیر امر ہے۔ اسی لئے ایک وکیل کہتا ہے کہ یہ مقدمہ فلاں دفعہ کے ذیل میں آتا ہے اور اس پر وہ اپنے دلائل پیش کرتا ہے۔ دوسرا اسکی رد کرتا ہے، بعض اوقات ایک مقدمہ میں ہی سمجھنے سمجھانے میں کئی پشتیں گذر جاتی ہیں۔ مطلب فہمی کا یہ اختلاف صرف وکلاء ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ خود جج جو قانون ساز حکومت کے ایک طرح کے رکن ہوتے ہیں ان میں بھی ہوتا ہے اسی لئے اکثر اوقات ماتحت کی عدالت کے فیصلہ کو ہائیکورٹ منسوخ کر دیتی ہے پھر سپریم کورٹ دوبارہ پہلے فیصلہ کو بحال کر دیتی ہے، حالانکہ انکی کتاب ایک ہے، قانون ایک ہے، پھر اس اختلاف کے کیا معنی؟ — آپ دیکھینگے کہ کم و بیش یہی صورتِ حال علم طب کی بھی ہے۔ ایک مریض ایک ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے وہ اس کیلئے ایک نسخہ تجویز کرتا ہے۔ پھر وہ دوسرے کے پاس جاتا ہے تو وہ دوسرا نسخہ لکھتا ہے جتنے ڈاکٹروں کے پاس جائیگا نسخہ بدلتا جائیگا چلے یہ سب ڈاکٹر ایک ہی کالج کے

پڑھے ہوئے ہوں، ایک ہی اُستاد کے شاگرد رہ چکے ہوں، مگر ان میں اختلاف ضرور ہے
اس کی واحد علت یہ ہے، کہ اکثر و بیشتر جو کلام بولا یا لکھا جاتا ہے وہ محتمل الوجوہ و ظنی ہوتا
ہے اسی پر سارے جہان کا عمل درآمد ہے، شریعت نے بھی لوگوں کے افہام و تفہیم
کیلئے دُنیا کی ڈگر سے ہٹ کر کوئی معجزانہ طریقہ نہیں اختیار کیا ہے، بایں معنی کہ قرآن
یا حدیث سے انکے ذہن میں صرف ایک ہی معنی آئیں، دوسرے معنے کا وہم بھی نہ ہو ایسا ہونا
خرقِ عادت ہے۔ اگر تبلیغ احکام کیلئے خدا کو اس طرح کی خرقِ عادت سے کام لینا ہوتا
تو قرآن بھیجنے کی ضرورت نہ تھی، آسمان سے آواز آتی اور ہر بندہ اسکو سمجھ لیتا اس نے ایسا
نہیں کیا۔ بلکہ افہام و تفہیم کیلئے انہی کے طریقوں کو اپنایا ہے، جو انکی روزمرہ کی بول چال
میں داخل ہیں۔ وہی شارع کا بھی اندازِ گفتگو ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ انسانوں کی
گفتگو میں بھول چوک، حشو و زوائد وغیرہ عیوبِ کلام ہوتے رہتے ہیں۔ ذاتِ احدیت
ان عیوب سے منزہ ہے، مگر اذہانِ ناس پر یہ بندش نہیں ہے کہ اس کلام کو سُن کر ان
میں احتمالات ہی پیدا نہ ہوں، ذہن کا کام فکر و نظر کرنا ہے اور احتمالات و شبہات فکر و نظر کا
لازمہ ہیں۔ اور انہی شبہات کو دُور کرنے کیلئے قرآن حکیم کے ساتھ اہلبیت کو بھیجا۔

اگر آپ نے مرقومہ بالا سطور کا بہ توجہ مطالعہ کیا ہے تو اب ان تمام اعتراضات کا جواب
بھی معلوم ہو گیا ہو گا جو مجتہدین پر لگائے گئے یعنی انکے فتوی میں اختلاف کیوں پایا جاتا
ہے، واللہ اعلم بالصواب کیوں کہتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ جو اسباب فی کلام اللہ مفسران
و اطباء کے اختلاف کے ہیں وہی تقریباً علماء کے فتاوی میں بھی ہیں جس طرح ایک ڈاکٹر
نسخہ لکھنے کے بعد قطعی طور سے قسمیہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے دوا ٹھیک دی ہے کیونکہ
ہو سکتا ہے کہ اسکی تشخیص غلط ہو، اسی طرح فقیہ بھی بعض حالات میں قسمیہ نہیں کہہ سکتا کہ

ہیر استنباط درست ہے اور یہ حکم واقعاً حکم اللہ ہے جیسا کہ قاضی کی مثال سے سمجھایا
گیا کہ وہ شاہدین عادلین کی گواہی پر فیصلہ دے سکتا ہے، مگر یہ نہیں کہہ سکتا کہ واقعاً یہ
حکم خدا ہے، کیونکہ ممکن ہے کہ گواہ جھوٹ بول رہے ہوں یا انکو دھوکہ ہوا ہو یونہی
فقیہ بھی اگر کسی روایت کی بنا پر فتویٰ دیتا ہے، وہ بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ
واقعاً یہ حکم خدا ہے، کیونکہ شاہدین کی طرح اس روایت کے رواۃ میں بھی احتمالِ خطاء وسہو
ونسیان باقی ہے۔ اسلیئے نہ قاضی کہہ سکتا ہے کہ یہ واقعاً حکم اللہ ہے، نہ فقیہ۔

**خلاصۂ بحث**

اس بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ مہمات احکام شرع تمام کے تمام نصوص
قرآنیہ سے ثابت ہیں، وہ سب کے سب قطعی اور یقینی ہیں۔ اب
رہے باقی جزئیات و تفاصیل تو وہ بھی اسی قرآن میں اسی طرح موجود ہیں جس طرح
کھجور کی گٹھلی میں پورا نخلستان موجود ہوتا ہے اسکے دیکھنے کیلئے خاص قسم کی
بصارت کی ضرورت ہے، اور وہ صرف اہلبیت طاہرین کو حاصل ہے۔ یہ تمام احکام
قرآن کریم میں یقیناً موجود ہیں۔ مگر ان کا سمجھنا تالیانِ کتاب (اہلبیت علیہم السلام اجمعین)
کا کام ہے، اور انکے فرمائشات احادیث کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں۔ انھوں نے ہم
تک اپنے احکام پہنچانے کا وہی طریقہ استعمال کیا ہے جو انسان کیلئے آسان اور
ممکن ہے لہٰذا اس سے نہ تو سفاہت لازم آتی ہے نہ تکلیف باطل ہوتی ہے جیسا کہ
معترض کا خیال ہے۔ معترض نے چند علمائے شیعہ کے ناموں کا ذکر کر کے یہ
تحدی بھی کی ہے، کہ انھوں نے ہمارے اعتراضات کا کوئی جواب نہیں دیا، اس دعوے
کی صحت کی صورت میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے شاید اس لیئے جواب نہیں دیا کہ عام
طور سے اس قسم کے اعتراضات کے پردہ میں جذبۂ شہرت کار فرما ہوتا ہے۔ لہٰذا جواب

دینے سے معترض کے اس مقصد کی تکمیل کے علاوہ اور کوئی فائدہ مرتب ہوتا۔ پھر اعتراضات بھی وہ جو مذہب شیعہ کے تیرہ سو سالہ مسلمات کے خلاف ہوں۔ لھذا انھوں نے "عن اللغو معرضون" پر عمل کرتے ہوئے سکوت بہتر سمجھا ہوگا لیکن مذکورہ پمفلٹ کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ ان کے اس سکوت سے غلط معنی لئے گئے جس سے سادہ لوح مومنین کے بھٹکنے کا اندیشہ ہے اور علماء کے سکوت کو ترک واجب سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ لھذا میرے نزدیک اس کا جواب ضروری ہوا۔ میں معترض کے متعلق یہ حسن ظن رکھتا ہوں کہ ان کی غرض ان افکار کی اشاعت سے صرف استصواب ہی ہوگی۔ اگر ایسا ہے تو مندرجہ بالا سطور ان کے رفع ابہام کے لئے کافی ہونگے۔ اور جواب سوال کا سلسلہ شروع کرنے کی کوشش نہ کی جائیگی۔ چونکہ میرا مقصد صرف اتمام حجت اور موصوف کی تحدی کو باطل کرنا تھا وہ اس رسالہ کی اشاعت سے حاصل ہوگیا۔ اب بھی اگر موصوف کو کچھ شبہات باقی رہ گئے ہوں تو وہ مشافہۃً یا مکاتبۃً حل فرما سکتے ہیں۔ جواب الجواب کا سلسلہ قائم کر کے عامۃ مومنین کے ذہنی انتشار کا باعث نہ بنیں۔ اگر یہ سلسلہ قائم کرنے کی کوشش کی گئی تو میری طرف سے اس کا کوئی جواب نہ ہوگا۔ خداوند کریم جملہ مومنین کو تدلیس ابلیس سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین

---

طیب آغا الموسوی الحسینی الجزائری

جامع جائری۔ لاہور

